بیاد مجلس شیخ الحدیث

ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہل حق

ایک حدیث کی حکیمانہ تشریح

گرمی اور سردی کا جہنم کے دو سانسوں سے تعلق

۱۹ اکتوبر ۱۹۸۴، حقائق السنن جلد ثانی کا مسودہ لے کر حاضر خدمت ہوا، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ بیٹھک میں تشریف لے جا چکے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا! کچھ مسودہ ساتھ لائے ہو عرض کیا، جتنا کچھ بن پڑا لکھ لیا ہے۔ فرمایا! تو پھر اسی کام کو ترجیح دینی چاہیئے۔ دیگر مصروفیات اور مشاغل ترک فرما کر ہمہ تن شرح ترمذی کے کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ احقر مسودہ سناتا رہا۔ حضرت مدظلہ پوری توجہ سے سنتے رہے۔ آج کی بحث کے بعض اہم گوشے تشنہ رہ گئے تھے۔ اس لئے جگہ جگہ مزید بحث بھی فرمائی۔ اور حسب ضرورت مسودات کی اصلاح بھی فرماتے رہے۔ آج کی یہ مبارک مجلس گویا ایک درس حدیث ہے جس کے سہل، آسان، اصلاحی اور تبلیغی حصے نذر قارئین ہیں۔

(ع ق ح)

حرارت و برودت کے اسباب فیح جہنم اور آفتاب

حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوٰۃ فان شدۃ الحر من فیح جہنم جب گرمی شدید ہو تو ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھو۔ کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھڑاس رفیح سے ہے۔

اس حدیث میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ دنیا میں گرمی اور اس کی شدت کا اصل سبب فیح جہنم ہے۔ مگر بعض ظاہر پرست، سائنسدان اور ظاہر بین اس سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زمین کی گرمی و سردی کا اصل سبب آفتاب ہے۔ سورج کے سمت الراس کے قریب ہونے سے حرارت اور بعد سے برودت پیدا ہوتی ہے لہذا حرارت اور گرمی کی شدت کو فیح جہنم کا نتیجہ قرار دینا بظاہر مشاہدہ کے خلاف ہے۔ لیکن قدرے غور و فکر اور بغیر تعصب کے اصل حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو حضورؐ کا ارشاد بجا ہے۔ اور اپنی حقیقت پر محمول ہے نہ تاویل کی ضرورت ہے اور نہ انکار کی گنجائش۔

اسباب باطنی بھی ہوتے ہیں اور ظاہری بھی | دراصل یہ دنیا دارالاسباب ہے۔ کائنات میں واقع پذیر ہونے والے امور کا تعلق اسباب سے ہے۔ اسباب ظاہری بھی ہوتے ہیں اور باطنی بھی۔

حرارت کا ظاہری سبب نار ہے یا شمس ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ سورج میں یہ حرارت کہاں سے آئی۔ حضور ؐ نے ارشاد فرمایا۔ فان شدۃ الحر من فیح جہنم، کہ آفتاب کی حرارت فیح جہنم کی وجہ سے ہے جو حرارت کا باطنی سبب ہے۔ سائنسدانوں اور ظاہر بینوں کی نظر ظاہر تک محدود رہی۔ مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ہدایت اور رہنمائی میں اس کے اصل اور باطنی سبب کی نشاندہی بھی کر دی۔

لہذا سائنسدانوں کے قول اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں کوئی تعارض نہیں۔ سائنسدانوں کی نظر ظاہر تک محدود رہی اس لئے حرارت کی نسبت سورج کی طرف کر دی۔ جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حقیقت اور اصل سبب پر تھی۔ اس لئے حرارت کا سبب فیح جہنم کو قرار دیا۔

جہنم کے دو سانس | ارشاد فرمایا۔ جہنم نے خدا کے حضور شدت حرارت کی شکایت کی اور عرض کیا کہ اَکَلَ بَعضِی بَعضًا کہ میرا بعض حصہ دوسرے حصہ کو کھائے جا رہا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے جہنم کو اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے دو سانسوں نفسین (دو سانس) کی اجازت مرحمت فرمائی فاذن لہا بنفسین نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف۔

جہنم کے تنفس (سانس لینے) کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ سال میں دو سانس نکالتی ہے ایک جانب جنوب اور دوسرا جانب شمال کو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نفسین سے مراد دو سانس ہیں کہ ایک لیتی ہے اور دوسرا نکالتی ہے۔

نظام کائنات میں حکمت اور مصلحت | قدرت کی حکمت کائناتی نظام کے ہر ذرہ میں پوشیدہ ہے۔ فیح جہنم، گو بظاہر گرمی اور شدت اور حرارت کا نام ہے۔ مگر بباطن انسانی مفاد اور دنیا کی بقا کا راز بھی اس میں مضمر ہے۔

جب آپ فیح جہنم اور شمسی نظام کے قیام پر غور کریں گے تو یہ اشکال بھی خود بخود رفع ہو جائے گا۔ کہ فیح جہنم کی وجہ سے سال بھر کا موسم یکساں کیوں نہیں رہتا۔

جہنم کی حرارت اور اس کی شدت کا یہ عالم ہے کہ اگر جہنم کا ایک ذرہ بھی اس کائنات میں ڈال دیا جائے تو سارا کائناتی نظام جل بھسم کر راکھ ہو جائے۔ اور جنت کی چیز اگر ناخن برابر بھی دنیا پہ ظاہر ہو جائے تو ساری کائنات شاداب اور منور ہو جائے۔

جب اللہ تعالیٰ نے جہنم کو سانس لینے کی اجازت مرحمت فرمائی تو یہ یقینی بات ہے کہ اس کے تنفس سے یہ عالم

جل بھسم کر راکھ ہو جاتا۔ اللہ پاک نے اس کے تدارک کے لیے آفتاب بنا دیا اور فیح جہنم کو اس کے ذریعے سے دنیا کو منتقل کرنا منظور ہوا۔

اگر حرارت براہِ راست جہنم سے دنیا کو منتقل ہوتی تو ساری کائنات جل کر راکھ ہو جاتی۔

اس کی مثال آپ تربیلہ بند کو لے لیں۔ اگر وہاں سے براہِ راست یہاں بجلی منتقل کر دی جاتی تو سارے مکانات جل جاتے۔ مگر وہاں سے یہاں تک کئی واسطوں سے بجلی پہنچتی ہے پھر شہر کے باہر ٹرانسفارمر لگایا گیا ہے جس سے ایک خاص مقدار میں بجلی شہر کو منتقل ہوتی ہے۔

فیح جہنم کا کرۂ شمس میں منتقل ہونا

کرۂ شمس جو زمین سے کئی سو چند گنا بڑا ہے۔ فیح جہنم کے ایام میں وہ جہنم کے محاذات پر آجاتا ہے۔ اور جہنم کی فیح (بھڑاس و حرارت) کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے جس سے کرۂ شمس میں بھی گرمی آجاتی ہے۔ ادھر چونکہ زمین بالطبع بارد و یابس تھی اور کمال برودت و یبوست کی وجہ سے اس قابل نہ تھی کہ اس پر انسان یا حیوان زندہ رہ سکیں۔ یا وہ کسی فصل وغیرہ کے کاشت کے قابل ہو۔ اب اللہ نے سورج کی جو حرارت کا کرہ ہے کرۂ ارض پر آہستہ آہستہ تدریجی طور پر گرمی اور حرارت پہنچانے کی ڈیوٹی لگا دی۔

سورج میں فیح جہنم کی حرارت محصور اور محفوظ ہو جاتی ہے[1] پھر تمام سال سورج حسبِ ضرورت و حکمت زمین کو پہنچاتا رہتا ہے۔ اس حکیمانہ نظام کے تحت سورج کا اپنے مدار میں سال بھر کا چکر برودت اور حرارت کا باعث ہوتا ہے۔ اگر چوبیس گھنٹے روشنی اور حرارت ہی باقی رہتی تو زندگی مشکل تھی۔ اور کائنات کی بقاء اور استحکام خطرہ میں تھا۔ اس لئے بارہ یا چودہ گھنٹے سورج کی حرارت اور پھر اس کے غروب سے برودت کا نظام قائم کیا گیا۔

نار اور نور کی تقسیم ضرورت

چونکہ فیح جہنم میں ناریت بھی تھی اور نورانیت بھی۔ کائنات کو دونوں چیزوں کی ضرورت تھی۔ نورانیت کی ضرورت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے سورج کے محاذات میں چاند بنا دیا ہے۔

---

[1] حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ فیح جہنم کے سورج کو منتقل ہونے کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے کہ پرانے زمانے میں بغیر بجلی کے چلنے والی آٹا مشینوں کے دھواں خارج کرنے والے پائپ ہوتے ہیں جن کے سر پر پائپ کے منہ سے قدرے بڑے سائز کی ٹوپی لگی ہوئی ہوتی ہے۔ جب مشین چلتی ہے تو دھواں پائپ کے منہ سے نکل کر ٹوپی میں جاتا ہے۔ انتقال کے اس عمل سے "ٹک ٹک" کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ سورج بھی جہنم کے منہ کے محاذات میں اس پائپ کی ٹوپی کی طرح جب برابر ہوتا ہے تو یہ بعینہٖ (فیح جہنم) کے سانس نکالنے کا وقت ہوتا ہے۔ جس کو سورج حاصل کر کے اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے (ع ق)

نورالقمر مستفاد من نورالشمس. چاند کی روشنی، سورج کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے گویا فیح جہنم کی نورانیت بواسطہ شمس کے قمر نے محفوظ کر لی اور اب حکمت و تدریج سے کائنات میں اسے تقسیم کرنے کی ڈیوٹی پر لگا ہوا ہے۔

عدم علم، عدم وجود کی دلیل نہیں | کسی چیز کا ہمارے تجربہ و مشاہدہ میں نہ آنا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ واقعۃً بھی وہ چیز موجود نہیں۔ ریڈیو میں باتیں ہوتی ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ وہ ہوائی لہروں کے ذریعہ سے ریڈیو میں آتی ہیں مگر ہمیں یہ مشاہدہ نہیں کہ وہ کس جانب سے اور کیسے آرہی ہیں۔ مشکوٰۃ کی روایت میں جو نیل و فرات اور جیحوں و سیحوں کو "من انہار الجنۃ" قرار دیا گیا ہے۔

اس روایت پر بھی یہی اشکال کیا جاتا ہے کہ عام طور پر تجربہ و مشاہدہ میں دریائے سیحوں وغیرہ کے پانیوں کا سرچشمہ پہاڑوں کے تالاب اور وہاں پانی کے ذخائر ہیں۔ انہیں "من انہار الجنۃ" قرار دینا بظاہر مشاہدہ کے خلاف ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ دریائے سیحوں گلگت کے کوہستانوں سے آتا ہے جہاں پانی کے تالاب اور ذخائر موجود ہیں۔ اتنا کچھ تو ہمارے مشاہدہ میں ہے۔ مگر اب یہ دوسری چیز مشاہدہ میں نہیں ہے۔ کہ گلگت کے کوہستانی پہاڑوں میں پانی کہاں سے آتا ہے اب پانی کا تحقق ہے۔ مگر اس کے طریق آمد کا ہمیں علم نہیں ہے۔ عدم علم سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے اور الصادق الامین نبی ہیں۔ آپ نے جو فرمایا سچ فرمایا "لاریب" دنیا کی گرمی فیح جہنم کا اثر ہے۔ اور سیحون و جیحون کا پانی۔ انہار جنت سے ہے۔ رہا یہ سوال، یہ فیح جہنم کا اثر دنیا میں کیسے آتا ہے یا انہار جنت سے پانی دنیا کو کیسے منتقل ہوتا ہے۔ تو اس کا ہمارے مشاہدہ میں نہ آنا عدم واقعہ کی دلیل نہیں ہے۔

ایک اشکال کا جواب | بعض ظاہر بین یہ اشکال وارد کرتے ہیں کہ جب جیحون و سیحون انہار جنت سے ہیں اور ان کا پانی بھی جنت سے آتا ہے۔ پھر تو چاہیئے کہ ان میں جنت کے پانی کے اوصاف بھی پائے جائیں جنت کے پانی میں یہ خصوصیت ہے کہ اس کے پینے سے پیاس نہیں لگتی۔ بھوک ختم ہوجاتی ہے اور اس میں انسان غرق نہیں ہوتا بلکہ وہ پانی حیات کا باعث ہے۔

علماء نے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ معدن کے بدلنے سے اشیاء کا حکم بھی بدل جاتا ہے اور ظرف کے بدلنے سے مظروف کا حکم بدل جاتا ہے۔ اہل منطق کا مشہور اصول ہے کہ حصول اشیاء بانفسہا ہوتا ہے۔ ایک دوسرا قول بھی منقول ہوا ہے کہ حصول اشیاء باشباہہا ہوتا ہے۔ مگر یہ قول ضعیف اور مرجوح ہے پہلا قول مشہور اور راجح ہے۔ جب خارجی اشیاء کا ہم نے تصور کیا مثلاً نار کا تصور کیا۔ جبل (پہاڑ) اور

بحر (دریا) کا تصور کیا تو منطقی اصول "حصول اشیاء بانفسہا" کے پیش نظر چاہئے۔ کہ حرق (جلانا) و خرق (پھٹنا اور توڑ دینا) اور غرق (ڈبو دینا) کا تحقق بھی ہو جائے۔

کیونکہ نار کی خاصیت حرق ہے جبل کی خاصیت خرق ہے۔ اور بحر کی خاصیت اغراق ہے۔ جب تصور کیا تو کسی ایک وصف کا تحقق بھی نہ ہوا۔ حالاں کہ حصول اشیاء بانفسہا اس کا متقاضی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ایک ظرف خارج ہے اور ایک ظرف ذہن اسی طرح ایک وجود خارجی ہے۔ اور ایک وجود ذہنی۔ دونوں ظرفوں کے احکام اور خواص علیحدہ علیحدہ ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ نار، جبل اور بحر ظرف ذہن میں تصوراً آجاتے ہیں۔ اور تینوں کا وجود ذہنی محقق ہو جاتا ہے مگر یاد رہے اس سے ظرف خارج اور وجود خارجی، ظرف ذہن میں منتقل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ظرف خارج اور وجود خارجی کے اثرات حرق، خرق اور غرق بھی ظرف ذہنی پر مرتب نہ ہوں گے۔

اسی طرح نیل و فرات اور سیحون و جیحون جو انہار جنت سے ہیں جب ان کا ظرف جنت ہے تو ان کی خاصیت وہاں بھی وہی ہے جو احادیث میں مذکور ہوئی ہے کہ اس کے پینے سے نہ پیاس لگتی ہے نہ بھوک کا احساس ہوتا ہے اور نہ اس میں انسان غرق ہوتا ہے بلکہ وہ تو حیات اور بقا کا باعث ہے۔ مگر جب ظرف بدل گیا اور پانی دنیا کو منتقل ہوا، حصول اشیا بانفسہا تو ہو گیا ماہیت اور مظروف منتقل ہو گیا ہے۔ ظرف اپنی جگہ باقی رہا۔ اس لئے اس کے خاصیات منتقل نہ ہوئے۔ بلکہ اب جب دنیا ظرف بن گئی ہے تو لا محالہ مظروف پر بھی دنیا کے اثرات مرتب ہوں گے۔

چاند اور سورج کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا

جب وقوع قیامت کے بعد جہنم کو انسانیت کے کافرانہ طبقہ کا ایندھن مل جائے گا تو اس کی حرارت میں بھی اعتدال آجائے گا۔ اور مزید تنفس (سانس نکالنے) کی حاجت باقی نہیں رہے جب وہ سانس نہیں نکالے گی تو اس کی فیح کو محفوظ کرنے کے لئے جو کرۂ شمس پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی بھی ضرورت باقی نہیں رہے گی لہذا یہ چاند سورج بے نور ہو جائیں گے۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ جہنم میں ڈال دئے جائیں گے۔

بعض لوگوں نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ آفتاب و ماہتاب ابتدائے آفرینش سے تا قیام قیامت اطاعت اور فرماں برداری کر رہے ہیں۔ لا یعصون اللہ ما امرہم، انہیں جہنم میں ڈال دینا گویا انہیں سزا دینا ہے۔ کمال اطاعت کا یہ صلہ، بظاہر عدل و انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ مگر قدرے تامل سے یہ اشکال بھی خود بخود رفع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز اپنے اصل کو راجع ہوتی ہے۔ کل شئ یرجع الی اصلہ۔ سورج فیح جہنم کا صندوقچہ ہے۔ گویا اسی سے ہے اور اس کا بچہ ہے اور نور قمر، شمس سے مستفاد ہے ان کو جہنم میں ڈال دینا گویا اپنی ماں کی گود میں پہنچا دینا ہے جب دونوں کی اصل جہنم ہے تو انہیں اپنے اصل کو واپس کر دینا، گویا عین حق شناسی اور احسان مندی ہے اور یہی انصاف کا تقاضا ہے ▬